مکاتیب رشیدیہ اور تطہیر تصوف وتزکیہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حافظ عبدالباسط خان* حافظ عبدالرشید**

Abstract

***Makātīb al-Rashīdiyah* and Purification of Mysticism: An Analytical Study**

Maulāna Rashīd Aḥmad Gangohī, the co-founder of *Dar-ul-'Ulūm Deoband* was a renowned scholar of sub-continent. *Gangohī*, serving in all fields of Islamic studies and participating in 1857's battle, did his best to purify the mysticism from all the anti-*Sharī'ah* customs. He used to stress upon his pupils and *Murīdīn* (followers) to keep their attention to get the outcome of all the different *Ashghāl* (courses and lessons) which is clearly the pleasure of Allah. In this regard, this article presents an analytical study of his letters which he wrote to his followers.

Keywords: *Makātīb al-Rashīdiyah*; *Maulāna Rashīd Aḥmad Gangohī*; Sufism.

مکاتیب رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ آپ برصغیر میں اثر ونفوذ کے اعتبار سے سب سے مقدم سلسلہ طریقت، سلسلہ چشتیہ کی ذیلی شاخ سلسلہ صابریہ کے مرجع الخلائق شیخ طریقت تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے مکاتیب جو آپ نے اپنے مریدین کو تحریر کیے، فن تصوف کے اصل مقصود کو خوب نکھارتے ہیں اور وہ تمام رسومات وعادات جو اس فن میں داخل ہو گئیں اور جنہیں بجا طور پر "الدخیل فی التصوف" کہا جاسکتا ہے، کا قلع قمع کرتی ہیں۔

سوانح رشیدیہ

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۹ء کو جمعرات کے دن چاشت کے وقت قصبہ گنگوہ کے اس مکان میں پیدا ہوئے جو شیخ عبدالقدس گنگوہیؒ کے مکان سے متصل تھا۔[۱]

گنگوہ ضلع سہارنپور کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ یہاں کے ایک بادشاہ راجہ گنگ کے نام سے منسوب ہے۔ یہ شہر سہارنپور سے ۳۳ میل جنوب میں واقع ہے[۲] دوآبہ[۳] کے دیگر علاقوں کی طرح اس کی وجہ شہرت بھی دینی نوعیت کی ہے کیونکہ اس علاقہ میں عبدالقدوس گنگوہیؒ اور شاہ ابوسعیدؒ مدفون ہیں۔[۴]

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے والد کا نام مولانا ہدایت احمد تھا۔ وہ شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔[۵] مولانا گنگوہیؒ کی عمر ابھی سات سال ہی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پھر والدہ صاحبہ جو سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے باعث عقائد واعمال میں نہایت پختہ تھیں، نے آپ کی پرورش کی۔[۶]

آپ نے ابتدائی تعلیم بالترتیب اپنے بھائی مولانا محمد عنایت صاحب اور ماموں مولانا محمد تقی صاحب سے حاصل کی۔ عربی کی ابتدائی کتب مولانا محمد غوث صاحب سے پڑھیں[۷] انہوں نے آپ کو اعلی تعلیم کے حصول کے لیے دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ ۱۲۶۱ھ میں آپ نے دہلی کا سفر فرمایا۔ مولانا انوار الحسن لکھتے ہیں: "۱۲۶۱ھ میں ایک اور طالب علم جو آگے چل کر قطب الارشاد کے مقام پر پہنچا اور وہ حجۃ الاسلام کا ہم درس ہوا، وہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے"۔[۸]

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی

دہلی، چونکہ اس دور میں علوم وفنون کا مرکز تھالہذا یہاں مختلف عظیم علمی ہستیاں تدریس کے حلقے لگائے ہوئے تھیں۔ مولانا نے مختلف حلقہ ہائے تدریس میں شرکت کرنے کے بعد بالآخر مولانا مملوک علی صاحب کے حلقۂ درس کا انتخاب کیا۔

صاحب نزھۃ الخواطر لکھتے ہیں: ''ثم لازم الشيخ مملوك العلى النانوتوي وقرأ عليه أكثر الكتب الدراسية''۔[9]

علم حدیث آپ نے شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا۔ ان کے علاوہ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ دہلی میں آپ کا عرصۂ تعلیم صرف چار سال ہے۔ لیکن ان چاروں سالوں میں آپ نے تقریباً تمام متداول علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کرلی تھی۔

مولانا گنگوہیؒ نے اکیس سال کی عمر میں اپنے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔[10] نکاح کے بعد خود اپنے شوق سے بغیر کسی استاد کے پورے ایک سال میں قرآن حفظ کیا اور صلوۃ التراویح میں سنایا۔[11]

حصول علم کے زمانے میں مولانا کو اصلاح وارشاد کا فکر دامن گیر تھا لیکن قلبی میلان واطمینان کے بغیر آپ نے اس باب میں قدم رکھنا پسند نہیں کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے بارے میں آپ اسی سکونت دہلی کے زمانے میں بارہا سن بھی چکے تھے اور دو تین دفعہ ملاقات بھی کرچکے تھے۔ آخر انہی کے ہاتھ پر آپ نے پوری فکر وتحقیق کے بعد سلاسل اربعہ میں بیعت کی اور چالیس دن انہی کے پاس رہ کر تزکیہ باطن پر توجہ دی اور اس قلیل مدت میں خلافت واجازت کا خرقہ بھی حاصل کیا۔[12]

علم ظاہر واصلاح باطنی سے قدرے فراغت کے بعد مولانا نے اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لیے وقف کردی تھی۔ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ کی بارہویں یا تیرہویں شب حجرہ میں نوافل ادا کرتے ہوئے ایک زہریلے جانور نے پاؤں کی چھوٹی انگلیوں کے درمیان کاٹا۔ اسی زخم کے باعث ۸ یا ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء کو آپ رفیق اعلی سے جاملے، ایک قول کے مطابق آپ کی وفات بایں معنی شہادت تھی کہ سانپ نے کاٹا تھا[13] شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔[14]

خدمات رشیدیہ

گنگوہیؒ کو اہل ہند اپنے وقت میں امام وپیشوا سمجھتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ مولانا گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتوی ہی وہ شخصیات تھیں جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے علوم کی وارث بنیں۔

> وورث علوم الشيخ عبد العزيز الدهلوي عالما نجليلا نال امام الحجة محمد قاسم النانوتوي والمحدث الفقيه الحجة الشيخ رشيد احمد الكنكوهي بيد أنه غلب على النانوتوي علوم المتكلمين وعلوم الحقائق وغلب على الشيخ الكنكوهي علوم الفقهاء وعلوم السنة مع حظ وافر بين الجانبين ولكن اصبحت جهة الحقائق مغلوبة في واحد كما أن جهة علوم الفقهاء مغلوبة في الآخر.[15]

نیز جیسا کہ ابھی گزرا، ان حضرات نے شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ سے علم حدیث حاصل کیا۔ سو ان حضرات کو ایک طرف ولی اللہی اور مجددی خاندان کے علوم ومعارف نصیب ہوئے اور دوسری طرف سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ارادت وخلافت کے باعث عین الیقین کی دولت نصیب ہوئی۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ گنگوہیؒ جس خاندان میں پیدا ہوئے، اسے سید احمد شہید سے تعلق تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے سید صاحب کا زمانہ پایا تھا۔ اس لیے عقائد واعمال میں نہایت پابند اور بدعت

سے نہایت متنفر تھیں۔ خود مولانا گنگوہیؒ سید صاحب کو مجدد تسلیم کرتے تھے[۱۶] اور گویا انہی کے مسلک پر تھے۔ ان عناصر ثلاثہ نے گنگوہیؒ کی زندگی میں تین جوہری خوبیاں پیدا کر دی تھیں:

(أ) شریعت وطریقت کی ترویج (ب) استقامت دین (ج) رد بدعت

شریعت وطریقت کی ترویج

۱۲۶۵ھ سے ۱۳۱۳ھ تک مسلسل ۴۹ سال آپ علوم دینیہ کی تدریس کرتے رہے آخری ۱۳ سال علم حدیث کے علاوہ باقی تمام علوم کی تدریس آپ نے موقوف کر دی تھی۔[۱۷] علم حدیث کی تدریس میں مولانا گنگوہیؒ کی چند اولیات بھی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ والے طریقۂ سرد[۱۸] میں آپ نے دو تبدیلیاں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ جامع ترمذی کو دوسری تمام کتب پر مقدم فرماتے تھے۔ نیز اسی طرح حنفیہ پر تارکین حدیث ہونے کے الزام کے باعث ان کے استدلالات حدیث کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ آپ اولاً حدیث کا ترجمہ، ثانیاً لغت کے رموز، ثالثاً اسماء الرجال بیان فرماتے تھے اور آخر میں فقہ الحدیث اور احکام الحدیث بیان فرماتے تھے لیکن یہ سب صرف ترمذی کے درس میں ہوتا تھا۔ باقی تمام کتب میں قراءۃ ہوتی تھی البتہ بخاری کے درس میں ترجمہ وابواب کے رموز نہایت اہتمام سے بیان فرماتے تھے۔ دورۂ حدیث کا طریقہ آپ ہی کا پختہ کردہ ہے۔[۱۹]

تین سو تلامذہ تو وہ ہیں جو باقاعدہ سند حدیث حاصل کر کے گئے۔ اس کے علاوہ کی تعداد شمار میں نہیں۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا یحییٰ کاندھلویؒ اور مولانا حسین علیؒ پنجابی آپ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔[۲۰]

نیز علم دین کی ترویج واشاعت کے ضمن میں آپ کی تصنیفی خدمات بھی کم نہیں۔ آپ کے منتخب فتاویٰ پر مشتمل "فتاویٰ رشیدیہ" کے علاوہ ۱۴ تالیفات ہیں۔ ان میں سے بعض مدعیان عمل بالحدیث کے جواب میں تصنیف کی گئیں۔ ایک کتاب شیعیت ورافضیت کے رد میں ہے۔ جبکہ بعض خالص فقہی مسائل سے متعلق ہیں ان میں سے القطوف الدانية في تحقيق الجماعة الثانية اورفيصلة الأعلام في دار الحرب ودار الإسلام نمایاں ہیں۔

ترویج علم دین کے باب میں آپ کی نمایاں ترین خدمت قاسم العلومؒ کی تحریکِ دین کے تحت ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی سرپرستی تھی۔ ۱۲۹۷ھ میں قاسم العلوم والخیرات نے ۴۹ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ دوسری طرف مظاہر العلوم سہارنپور کے بانی مولانا احمد علی محدث سہارنپور بھی اسی سال دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مدارس دینیہ کی تاریخ میں اس سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے۔[۲۱] ان ہستیوں کے رخصت ہو جانے سے یہ دونوں مدارس گویا یتیم ہو گئے۔ اب یہ تحریک اشاعتِ دین کسی سرپرست کی متنظر تھیں۔[۲۲] گنگوہیؒ نے ان مدارس کے ارباب کی درخواست پر اولاً ۱۲۹۸ھ[۲۳] میں دارالعلوم دیوبند اور ۱۳۰۲ھ یا ۱۳۰۴ھ میں مظاہر العلوم کی سرپرستی قبول فرمائی۔ اگرچہ دارالعلوم دیوبند سے آپ کے تعلق اور سراغ کا پتہ ۱۲۸۰ھ کی ایک رپورٹ سے ہوتا ہے۔[۲۴] تاہم باقاعدہ سرپرستی ۱۲۹۸ھ سے فرمائی۔

استقامت علی الدین

استقامت علی الدین اگرچہ مولانا گنگوہیؒ کی ذاتی خوبی ہے اور اوپر عنوان "خدمات رشیدیہ" کا باندھا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مولانا کا وہ وصف تھا جس کے باعث بیسیوں اہل علم وتحقیق بارگاہ رشیدی سے مستفید ہوئے۔ دیوبند کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں

بوجہ کثرت ازدحام کے گنگوہیؒ کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی تو فرمایا کہ "افسوس آج بائیس برس کے بعد تکبیر اولی فوت ہوئی"۔[۲۵] یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص سالوں کے وقفہ کے بعد بھی درگاہ رشیدیہ پر حاضر ہوتا تھا تو قطب الارشاد کو اسی اہتمام سنت کے رنگ میں دیکھتا تھا جس پر وہ سالوں پہلے دیکھ کر گیا تھا۔ استقامت علی الدین کی یہ ذاتی خوبی اس وقت خدمت دین میں تبدیل ہوگئی جب یہی خدمت ارشاد واصلاح کے دائرہ کار میں عظیم وسعت کا سبب بن گئی۔ اسکا تذکرہ اصلاحی خدمات کے ذیل میں آئے گا۔

رد بدعت

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور انکی جماعت کا تعلق تو سید احمد شہیدؒ سے ایسا تھا، جیسا کہ عاشق کا معشوق سے ہوتا ہے۔[۲۶] یہ اسی شیفتگی اور وارفتگی کا اثر تھا کہ رد بدعت کو گنگوہیؒ نے اپنی حیات کا اصل الاصول بنالیا تھا۔ اس باب میں آپ اس قدر علمی رسوخ رکھتے تھے کہ پوری جماعت دیوبند میں بشمول متقدمین ومتاخرین کے، آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ براہین قاطعہ جو بظاہر مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری کی مگر اصلاً گنگوہیؒ کی تصنیف ہے، ایسا علمی رسوخ رکھتی تھی کہ برصغیر کی تاریخ میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آپ بدعات میں ابتلاء کی خبر ملتے ہی بیعت کو فسخ کردینے کا عندیہ دے دیتے تھے۔

جہادی خدمات

سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے شیخ میاں نور محمد جھنجھانویؒ، سید احمد شہیدؒ کے مخلص ساتھیوں میں سے تھے اس لیے سید الطائفہ اور انکے خلفاء ومتعلقین میں جو جذبۂ جہاد موجزن تھا وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اسی جذبۂ جہاد نے انہیں شاملی کے میدان میں فرنگیوں کے خلاف کھڑا کیا۔ ان حضرات نے پوری بصیرت کے ساتھ جنگ آزادی میں شرکت کی، مولانا گنگوہیؒ کو اسی پاداش میں چھ ماہ قید کا سامنا کرنا پڑا۔[۲۷] بعض حضرات نے انکی شمولیت کو غیر یقینی یا حادثاتی قرار دیا ہے تاہم تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہ حضرات پوری بصیرت کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔[۲۸]

طبی خدمات

گنگوہیؒ نے اگرچہ باقاعدہ طب نہیں سیکھی تاہم طبیب حقیقی نے انکے ہاتھ میں جسمانی شفا کے سامان فراہم کردیے تھے۔ عموماً مفرد ادویہ سے علاج کرتے تھے اور سہل اور سستے نسخے بتلایا کرتے تھے۔[۲۹]

اصلاحی خدمات

سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد باشارۂ غیب حجاز کو ہجرت کرگئے تھے اس لیے ہندوستان میں اب ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیہ کے فارغین اور متخصصین کے لیے حاجی صاحب کے خلفاء میں سے دو ہستیاں پرکشش تھیں ایک قاسم العلوم والخیراتؒ اور دوسرے گنگوہیؒ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حاجی صاحب نے اہل ہند کے نام اپنے مکاتیب میں ان حضرات کو اس خطہ کے لیے رحمتِ خداوندی قرار دیا تھا۔ اور تاکید کی تھی کہ انکے محبین، مخلصین اور متعلقین ان دو حضرات کے ساتھ ہی اپنا تعلق ارادت قائم کریں۔ حاجی صاحب، ان دو حضرات کی اس قدر عزت کیا کرتے تھے کہ فرمایا کرتے کہ حقیقت میں تمہیں شیخ اور مجھے مرید ہونا چاہیے اور ان حضرات کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے

تھے۔ نیز ان حضرات کی طرف علماء ہند کی کشش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ دو حضرات جامع شریعت وطریقت تھے۔ تعلیم وتعلم کے ساتھ ان حضرات کا لگاؤ بھی اس کشش کی ایک وجہ تھی۔

اب چاہیے تو یہ تھا کہ یہ دونوں حضرات عوام کو عموماً اور علماء کو خصوصاً حلقہ ارادت میں داخل کرتے مگر نانوتویؒ کو بیعت کی اجازت ۱۲۸۲ھ میں سید الطائفہ کے قیام مکہ کے دوران ملی جبکہ گنگوہیؒ کو ۱۲۶۶ھ ہی میں سید الطائفہ کے قیام تھانہ بھون میں اجازتِ بیعت مل گئی تھی۔[۳۰] بیعت بھی آپ ہی پہلے ہوئے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نانوتویؒ کے مزاج میں اخفاء اور فنا کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ نیز صرف انچاس سال کی عمر میں آپ راہیٔ عدم ہوگئے۔ اس لیے ان کی طرف سے اصلاحِ احوال بطریق بیعت کا سلسلہ زیادہ نہیں چل سکا۔ حضرت گنگوہیؒ بھی اپنے احوال کا اخفا ہی پسند کرتے تھے مگر انہیں حاجی صاحب کی طرف سے بیعت کی سخت تاکید تھی نیز آپ کو عمر بھی لمبی عطا ہوئی۔ اس لیے کبار علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک ادارہ تھا۔ جو حضرات اس دور کی تاریخ سے واقف ہیں، وہ گنگوہیؒ کے خلفاء کے ناموں سے ہی اندازہ لگالینگے کہ یہ حضرات کس درجہ کے تھے:

(ا) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ　　(ب) مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(ج) مولانا انور شاہ کاشمیریؒ　　(د) مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(ھ) مولانا عبد الرحیم رائے پوریؒ　　(و) مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ
(ز) مفتی عزیز الرحمنؒ

کل خلفاء کی تعداد ۳۴ ہے جن میں ۳۰ کے لگ بھگ علماء ہیں۔[۳۱]

مکاتیب رشیدیہ - ایک تعارف

مکاتیب رشیدیہ، گنگوہیؒ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ یہ مکاتیب پہلی مرتبہ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (مؤلف تذکرۃ الرشید) نے جمع کرکے میرٹھ کے مطبع عزیز المطابع سے طبع کیے تھے۔ اس وقت ۵۰ کے لگ بھگ مکاتیب مجموعہ میں شامل تھے۔ ان میں سے ۱۲ خطوط سید الطائفہؒ کے ہیں جو گنگوہیؒ کے نام لکھے گئے۔ پھر اس کے بعد ایک مکتوب وہ ہے جو گنگوہیؒ نے سید الطائفہؒ کے نام لکھا تھا۔ پھر مولانا صدیق احمدؒ انبیھٹوی کے نام ۲۱ خطوط ہیں۔ یہ خطوط دراصل گنگوہیؒ کے مہارتِ تصوف کا بین ثبوت ہیں۔ آپ کے کل خلفاء میں سے مولانا صدیق احمدؒ کو مقامات سلوک کی بالتفصیل سیر کرائی گئی تھی اس لیے یہ خطوط انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ان خطوط کو باقی خطوط پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ۲ خطوط حضرت تھانویؒ کے نام ہیں۔ پھر بالترتیب مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے نام ۱۳ خطوط، مولانا سید کوثر علیؒ کے نام ۵ خطوط، حکیم عبد العزیز خان پنجلاسوی کے نام ۲۳ خطوط، پھر مولانا روشن علی خان صاحب کے نام ۱۲ خطوط، پھر مولانا صادق الیقین صاحب کے نام ۱۱ خطوط، مولانا ممتاز علی صاحب کے نام ۵ خطوط، مولانا فتح محمد صاحب کے نام ۴ خطوط، حاجی ظہور احمد انبیٹھوی کے نام ۱۱ خطوط، مولانا محمود حسن بریلوی کے نام ۵ خطوط اور آخر میں "متفرق مکاتیب" کے تحت مختلف افراد کے نام ۱۱ خطوط شامل ہیں۔

اگست ۱۹۹۶ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو ادارۂ اسلامیات، لاہور کی طرف سے "مکاتیب رشیدیہ" کا ایک نیا ایڈیشن شائع

ہوا۔ اس میں مولانا محمود اشرف عثمانی نے مولانا عاشق الہیؒ کے جمع کردہ مکاتیب میں اضافہ کروایا۔ گنگوہیؒ اوران کے متعلقین کی کتب سوانح سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ مولانا عبدالمالک عتیق نے مزید مکاتیب کو تلاش کیا۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید و تذکرۃ الخلیل (ہر دو کے مؤلف مولانا عاشق الہی میرٹھی ہیں) اور دیگر کتب سے تقریباً ۷۶ مکاتیب تلاش کر کے اس مجموعہ میں شامل کیے گئے۔ چنانچہ اب ان مکاتیب کی تعداد ۲۲۶ ہوگئی ہے۔ مولانا محمود اشرف عثمانی نے ان مکاتیب پر عنوانات کا اضافہ کیا۔ تاہم یہ عنوانات صرف فہرست میں شامل کیے گئے ہیں، گنگوہیؒ کے مکاتیب میں یہ عنوان درج نہیں کئے گئے۔[۳۲]

مشمولات مکاتیب رشیدیہ

چونکہ یہ خطوط مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے نام لکھے گئے ہیں ان میں سے اکثر وہ مریدین ہیں جو علماء ہیں بعض افراد وہ ہیں جو محض مریدین ہیں جبکہ بعض صرف مستفسرین ہیں جنہیں کوئی ذہنی خلجان یا مشکل درپیش ہے یا وہ فقہی امور کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں، لہذا "مکاتیب رشیدیہ" کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل مرکزی مشمولات سامنے آتے ہیں:

۱۔ مریدین طریقت کے واردات واحوال اور ان پر مولانا کے تبصرے
۲۔ تصوف کی اصطلاحات کی توضیح
۳۔ مشکلات القرآن والحدیث کا حل
۴۔ فقہی استفسارات کے جوابات
۵۔ مختلف مشکلات کے لیے تعویذات وعملیات
۶۔ گنگوہیؒ کے ذاتی احوال
۷۔ متعلقین کے احوال

چونکہ زیرِ نظر مقالہ کا اصل ہدف تصوف وسلوک میں آپ کی خدمات ظاہر کرنا ہے۔ لہذا لف ونشر غیر مرتب کے تحت تصوف وسلوک کے علاوہ باقی مشمولات کا قدرے ذکر مقدم کیا جارہا ہے۔

مشکلات القرآن والحدیث کا حل

گنگوہیؒ کو علوم اسلامیہ خصوصا تفسیر وحدیث کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مجھے تصوف کی اصطلاحات کی کھوج لگانے اور انکے معانی متعین کرنے کا ذوق نہیں رہا بلکہ مقصودِ سلوک حاصل ہو جانے کے بعد ہمیشہ توجہ علم حدیث ہی کی طرف رہی ہے۔ چونکہ تقریباً انچاس سال تک علم حدیث اور دیگر علوم پڑھاتے رہے تھے اور ان میں سے تقریبا ۱۳ سال صرف علم حدیث کے لئے وقف کر دیئے تھے اس لیے حدیث کے جملہ علوم اور خصوصاً فقہ الحدیث میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی تھی۔

کتب حدیث میں یہ روایت درج ہے کہ آنحضرتؐ کے ایام بیماری میں گھر میں موجود افراد نے منہ کے ایک طرف میں دوائی ڈالنا چاہی۔ اس عمل کو لدود کہا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اشارہ سے اس عمل کے نہ کرنے کا حکم دیا۔ حاضرین نے سمجھا کہ شاید مریض کو دوائی سے ہونے والی طبعی کراہت کی وجہ سے ممانعت فرمارہے ہیں۔ لہذا دوائی منہ میں ڈال دی گئی۔ جب آنحضرتؐ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میرے منع کرنے کے باوجود دوائی کیوں ڈالی۔

حاضرین نے وہی عذر عرض کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اب جتنے حاضرین ہیں سب کو مرض الموت میں لدود لینا پڑیگا سوائے حضرت عباسؓ کے۔ حضرت عباسؓ بھی حاضر تھے مگر آنحضرتؐ نے انہیں مستثنیٰ کر دیا۔[۳۳]

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس حدیث کے بارے میں متعدد اشکالات گنگوہیؒ کو مختلف اور متدارج مکاتیب میں لکھے۔ مولانا گنگوہیؒ نے ان کے تمام اشکالات کے جوابات دیئے۔ ان جوابات سے آپ کی علم حدیث میں مہارت خوب آشکارا ہو جاتی ہے۔

سہارنپوریؒ کا اعتراض یہ تھا کہ رسالت مآبؐ نے اولاً انتقام کیوں لیا جبکہ آپؐ انتقام نہ لیتے تھے۔ گنگوہیؒ نے جواب دیا کہ آنحضرتؐ نے انتقام اس لیے لیا تھا کہ آپ نے لدود کی ممانعت وحی کی روشنی میں کی تھی لہذا ممانعت کے باوجود صدور، حقیقت میں حکم خداوندی سے عدول تھا۔ اس لیے انتقام لیا۔[۳۴]

پھر یہ اعتراض تھا کہ اہل بیعت نے تو مریض کی طبعی کراہت کی وجہ سے کیا تھا۔ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کی ہتک تو ہوئی لہذا سزا تو ہو گی۔ کیونکہ یہ حد نہیں ہے جو شبہ سے ساقط ہو جائے۔ بلکہ خطاء ہے اور خطاء میں انتقام لیا جاتا ہے۔[۳۵]

پھر یہ اعتراض ہوا کہ یہ خطاء اجتہادی تھی نیز یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی ہتک کے باعث اہل بیت کو بد دعا کی سزا ملی تو پھر عباسؓ کو کیوں مستثنیٰ کیا گیا جبکہ وہ بھی لدود میں شریک تھے۔ نیز یہ کہ جب بنو قریظہ میں عصر پڑھنے کا حکم ملا تھا اور ایک جماعت نے اس حکم سے عدول کیا تھا تو وہاں انتقام کیوں نہیں لیا۔[۳۶] اسی طرح رسالت مآبؐ نے حج میں حکم دیا کہ جو لوگ اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائے وہ احرام کھول کر اپنی بیویوں سے مل لیں۔ صحابہ کرامؓ نے ایسا نہیں کیا کہ محض ارشاد ہے، ایجاب تو نہیں۔[۳۷] اسی طرح آپ نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے پھر بھی جاری رکھا اور عرض کیا کہ اے نبی محترمؐ! آپ خود بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔[۳۸] اسی طرح احد میں جب صحابہ کرامؓ کی جماعت کو مقرر کیا تھا کہ گھاٹی میں رہیں۔ پھر ہٹ گئے[۳۹] اسی طرح جب ذوالخویصرہ نے کہا تھا کہ اے محمدؐ! عدل کیجئے آپؐ نے فرمایا اگر میں عدل نہ کرونگا تو کون کرے گا۔[۴۰]

ان تمام مذکورہ بالا واقعات میں آپؐ نے انتقام نہیں لیا صرف واقعہ لدود میں کیوں انتقام لیا۔

حضرت گنگوہیؒ نے ان تمام امور کا انتہائی مختصر مگر جامع جواب دیا۔

سب سے پہلے یہ ذکر فرمایا کہ اہل بیت کا یہ فعل اجتہادی غلطی نہ تھی بلکہ محض غلطی تھی کیونکہ جس طرح نص صریح کے مقابلہ میں اجتہاد درست نہیں ایسا ہی شارع علیہ السلام کے روبرو اجتہاد درست نہیں۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے واقعہ قرطاس میں کہا تھا کہ آنحضرتؐ کے سامنے جھگڑا کرنا مناسب نہیں بلکہ خود آنحضرتؐ سے پوچھ لو۔ اس لیے جب اہل بیعت نے باوجود اس کے کہ وہ شارعؐ سے پوچھ سکتے تھے محض اپنی رائے سے لدود کا فعل کر لیا اور باوجود اس کے کہ آپؐ منع فرما رہے تھے، محض اپنی رائے سے اسے کراہت طبعی پر محمول فرمالیا تو محض غلطی ہوئی، اجتہادی غلطی نہ ہوئی۔

جہاں تک بنو قریظہ کے واقعہ کا ذکر ہے تو وہاں اولاً شارعؐ کی ذات بابرکات موجود نہ تھی۔ ثانیاً یہ کہ حکم شارعؐ میں احتمال دو معنی کا تھا۔ اول احتمال یہ کہ ہر گز راستہ میں نماز نہ پڑھی جائے، دوم یہ کہ مقصد جلد پہنچنا ہو اور یہ مقصود جلدی سے نماز پڑھ کر پہنچ جانے سے حاصل ہو سکتا تھا خصوصاً جبکہ وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کا مستقل حکم بھی مد نظر تھا لہذا ان امور کے ہوتے ہوئے اس مسئلہ میں اور مسئلہ لدود میں بہت فرق ہے۔ نیز جب کہ آپ نے اشارہ ہی فرما دیا کہ مجھے اس مرض سے نجات نہ ہو گی اور یہ بھی اہل بیعت کو معلوم تھا کہ علاج کامل توکل کے خلاف ہے لہذا لدود کے فعل سے اس لیے بھی بچنا چاہیے تھا کہ وہ توکل کے خلاف ہے اور غیر مفید ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہتک حرمۃ اللہ کے باعث صرف انتقام ہوتا ہے یہ ضروری نہیں

کہ جتنا بڑا غلط عمل ہو اتنی ہی بڑی سزا ہو۔ یہ صرف قصاص میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حج میں احرام کھولنے کے بارے میں، صوم وصال کی ممانعت کے بارے میں، اسی طرح غزوۂ احد میں گھاٹی پر برقرار رہنے کے بارے میں، آنحضرتؐ نے ناراضگی کا اظہار تو فرمایا تھا۔ یہی فی الجملہ انتقام کے لیے کافی تھا۔ اسی طرح ذوالخویصرہ پر آپ کا غصہ کرنا بھی فی الجملہ انتقام ہی تھا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں صرف یہ مذکور ہے کہ آپ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے اور خدائی حکم کی نافرمائی پر آپ انتقام لے لیتے تھے۔ یہ مذکور نہیں کہ کبھی بھی انتقام کو ترک نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اگر کسی جگہ بتک حرمۃ اللہ پر آپ نے انتقام نہ لیا ہو تو وہ اس حدیث کے منافی نہیں۔[۴۱]

اس طویل تقریر کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اندازہ ہو سکے کہ گنگوہیؒ شریعت وطریقت کے کیسے جامع تھے۔ یہ اعتراضات بجائے خود مجیب کے تبحر علمی، وسعت معلومات اور وہبۂ خداوندی کی دلیل ہے۔ راقم نے صحیح بخاری کی شروحات میں ان اعتراضات اور انکے جوابات کو تلاش کیا مگر کہیں کامل نہ مل سکے۔

مکاتیب رشیدیہ سے یہاں صرف یہ ایک مثال ہی ذکر کرنے پر اکتفا کیا جارہا ہے ورنہ اس طرح کے بے شمار گوہر نایاب مکاتیب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

فقہی استفسارات کے جوابات

مکاتیب میں فقہی استفسارات کے جوابات بھی کثرت سے منقول ہیں۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ گنگوہیؒ اپنی ذات میں ایک دارالافتاء تھے۔ مفتی محمد شفیعؒ کہتے ہیں کہ آپ کے فتاویٰ در حقیقت دارالعلوم دیوبند کے فتاوی کا دورِ اول ہے۔ کیونکہ ابتدءً دار العلوم میں مستقل دارالافتاء نہ تھا۔ اس لیے استفتا گنگوہ روانہ کر دیے جاتے تھے یا مولانا یعقوب نانوتویؒ انکے جواب دے دیا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ گنگوہیؒ اپنے زمانہ میں بلاشبہ اہل ہند کے امام الفقہ تھے۔ عوام تو عوام، علماء متبحرین بھی آپ کی خدمت میں فقہی اشکالات لکھ بھیجتے تھے اور بلا تکلف آپ ان کا جواب دے دیتے تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ اور تذکرۃ الرشید کے بعض حصے راقم کے اس دعوی پر شاہد عدل ہیں۔

مفتی محمد شفیعؒ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ نے ایک مکتوب میں گنگوہیؒ سے استفسار کیا ہے کہ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب پورا ہو گا یا نصف، نیز یہ کہ "مالابد منہ" میں لکھا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب پورا ہی ملے گا۔[۴۲]

مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ جات میں دو خصوصیات بڑی واضح ہیں: (أ) یہ کہ آپ کے جوابات مختصر ہوتے ہیں، اور (ب) دوم یہ کہ ان جوابات میں فقہی استشہاد بہت کم ہیں۔ امر اول تو ظاہری بات ہے، ذوق سے تعلق رکھتا ہے۔ امر دوم کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ گنگوہیؒ فقیہ النفس تھے۔ اس لیے مسئلہ کے حل کے لیے انہیں تتبع وتلاش اور حوالہ جات کی اکثر ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

گنگوہیؒ نے یہ جواب لکھا ہے کہ ایسی صورت میں ثواب نصف ہی ہو گا۔ اور "مالابد منہ" کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔[۴۳]

اس طرح آپ سے یہ سوال کیا گیا ہے فال نکالنا کیسا ہے۔ گنگوہیؒ نے جواب دیا کہ اگرچہ فی نفسہ محض خوش دلی کے لیے فال نکالنے میں حرج نہیں۔ لیکن اگر فاعل اہل بدعت یا ہنود کی تشبہ میں ایسا کرے گا تو ناجائز ہے اور یہی قول زیادہ احتیاط کے قریب

ہے۔[۴۴] وہ مشہور فتویٰ جس کے سبب معاندین کو آپ کے خلاف لب کشائی و ہرزہ رسائی کو موقع ملا، امکان کذب کا فتویٰ ہے۔ یہ فتویٰ بھی مکاتیب میں شامل ہے[۴۵] یہی فتویٰ کچھ تفسیر کے ساتھ فتاوی رشیدیہ میں بھی منقول ہے۔[۴۶] اسی فتویٰ کو عربی زبان میں تحریر کرا کے علمائے مکہ مکرمہ کے پاس بھیجا گیا، انہوں نے اسکی تصدیق کی۔[۴۷] نیز اس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ صاحب نے ایک صاحب کے شبہات کے جواب میں ایک تحریر لکھی جو مسئلہ کی تفہیم میں قابل ذکر ہے۔[۴۸]

مختلف مشکلات کے لیے تعویذات و عملیات

عموماً علماءِ سلوک سے لوگ اپنی دینی و دنیاوی پریشانیوں کے لیے تعویذات و عملیات بھی معلوم کرتے رہتے ہیں۔ مکاتیب میں تعویذات و عملیات کا بھی تذکرہ ہے البتہ خود ایک جگہ گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے تعویذات و عملیات سے مناسبت و واقفیت نہیں ہے۔[۴۹] گنگوہیؒ سائلین کے لیے تعویذات بھی ارسال کر دیا کرتے تھے۔[۵۰]

ایک جگہ بچوں کی ایک بیماری کے دور کرنے کے لیے تجویز کیا ہے کہ کسی بھی رنگ کے ایک دھاگہ پر اکتالیس مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر ہر مرتبہ ایک گرہ لگائی جائے اور بچے کے گلے میں ڈال دیا جائے۔[۵۱] اسی طرح بے شمار اعمال منقول ہیں۔[۵۲]

شخصیات کے ذاتی احوال

مکاتیب رشیدیہ کا ایک معتدبہ حصہ مختلف شخصیات کے ذاتی احوال پر مبنی ہے۔ ان شخصیات میں سر فہرست تو گنگوہیؒ کی اپنی ذات ہے۔ بعض خطوط میں اسفار حج کے احوال منقول ہیں۔[۵۳] بعض میں دیگر اسفار مثلاً دار العلوم دیوبند وغیرہ کے سفر کے احوال درج ہیں۔ بعض میں اپنے خانگی احوال ذکر کیے ہیں۔ گنگوہیؒ کو زندگی میں اقرباء کی پے در پے اموات دیکھنا پڑیں۔[۵۴] ایک مکتوب میں سید الطائفہ نے انہیں تسلی دی ہے اور لکھا ہے کہ آپ مجسم صبر و رضا ہیں۔ آپ کو صبر کی کیا تلقین کی جائے۔ متعلقین کے جسمانی عوارض اور اموات کا کثرت سے تذکرہ ہے۔[۵۵]

گنگوہیؒ کو اپنے شیخ سید الطائفہ کے احوال پر مطلع رہنے کی بڑی فکر ہوتی تھی۔ غالباً اسی لیے مکتوبات میں انکے احوال کا تذکرہ آیا ہے۔

تصوف کی اصطلاحات کی توضیح

مولانا گنگوہیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں: "مکرما اس احقر کو نہ اتفاقِ مطالعہ کتب صوفیاء و اہل حقائق ہوا نہ گاہے اس کی طرف خواہش ہوئی۔ کیونکہ نہ اس مشرب سے واقف ہوئے نہ یہ مقامات پائے غیر کے مقامات کی تحقیق اپنے مقام سے عالی بحث و تحقیق کرنا جائز نہ جانا"۔[۵۶]

ان کلمات تواضع سے شاید کوئی ظاہر بین یہ سمجھے کہ انہیں فن سلوک سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حالانکہ گنگوہیؒ اس میدان کے شہسوار تھے۔ ذیل میں اصطلاحاتِ تصوف کے بارے میں انکے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں۔ ان اقوال سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اس میدان میں کیا مہارت رکھتے تھے۔

مولانا صدیق احمدؒ آپ کے وہ خلیفہ ہیں جنہیں مقامات سلوک کی بالتفصیل سیر کرائی گئی تھی۔ گنگوہیؒ کے وہ خطوط جو انبیٹھوی کے خطوط کے جوابات میں ہیں، اگر انہیں مکاتیب رشیدیہ "کا جوہر اور خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ انہیں خطوط میں تصوف کا بحر بیکراں موجزن ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

اوپر لکھا ہے کہ بندہ کو اصطلاحات صوفیہ پر نظر نہیں جو کچھ اپنا مزعوم ہے وہ یہ ہے کہ نفس رحمانی اور

وجود منسبط اور حقیقت الحقائق اور صادر اول سب ایک شے ہے اویہ حادث ہے اور وحدت وجود اسی موطن میں ہے۔ یہ نفس رحمانی منزہ عن الالواث والاحداث ہے اور ذات پاک وراء الوراء اس سے بھی عالی اور منزہ ہے۔ بے کیف وکم اور عقل فہم سے عالی ہے پس "غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست" اس سے زیادہ کچھ علم اس کا کسی کو کسی فرد بشر کو نہیں جو کچھ کسی ولی یا نبی کے ذہن میں عبور کرتا ہے وہ ذات پاک اسکی غیر ہے اور اعلے لا الہ الا اللہ خلاصہ سب کا ہے ذات پاک قید اطلاق سے بھی مطلق ہے۔ "لا بشرط شے" اور اس شرط سے بھی مبرا ہے اور تنزلات سے بھی پاک ہے۔ جیسا عوام جاہل کو ذات سے بجز جہل کچھ حاصل نہیں اور جو کچھ مکشوف ان کا ہے وہ سب خیال انکا اور معلوم ان کا ہے ذات پاک اس سے بھی برتر ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم زہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم[۵۷]

یہ عبارت محض ایک نمونہ کے طور پر نقل کی گئی ہے ورنہ اس طرح کی بے شمار عبارات جو بلاشبہ علم و معرفت کا ایک گنجینہ ہیں، مکاتیب میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سالک جب مقامات سلوک طے کرتا ہے تو استحضار کی پختگی کے واسطے اسے ان انوارات کو بھی مستحضر رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے جنہیں بعد ازاں غیریت الہ قرار دے کر رد کیے جانے کا حکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ انوارات نفس رحمانی، وجود منبسط، حقیقت الحقائق اور صادر اول کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: "اول یہ سنو ذکر کے نور کا ملاحظہ جو ابتداء میں تلقین ہوتا ہے تو وہ مقصد اصلی نہیں بلکہ تمہید ہوتا ہے اس کی، کہ بتدریج احاطہ ذات کا مورث ہو جاوے پس "بکل شئ محیط" کا تصور اصل ہے او احاطہ نور کا تصور اسی کی غرض سے تھا۔ اب ذکر میں یہی تصور کرو کہ "ان اللہ بکل شئ محیط" ملاحظہ نور کی ضرورت نہیں کہ وہ مبداء تھا اور یہ مقصود واصل"۔[۵۸]

ایک جگہ جذب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلی سے اخس تک اپنے خالق سے مربوط اور اس کے وجود سے موجود ہیں۔ بوحدۃ وجود یا بوحدۃ شہود و علی خلاف بینہم پس اس ربط کے شہود کا نام جذب رکھا گیا ہے اور انتہاء راہ جذب اس نسبت کے انکشاف پر ہے"۔[۵۹]

اسی طرح مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

تفرقہ یہ ہے کہ آدمی جس کام میں مشغول ہووئے کوئی شے آکر اس شغل سے غافل کر دیوے۔ دوسری شے میں مشغول بن جاوے جیسا ابتداء میں ایسا ہوتا ہے کہ جب ذکر شروع ہوتا ہے گاہ حضور ذکر ہے گاہ حضور خلاف ذکر۔ اور خطرہ یہ کہ دوسری شے کا خیال اگر آوے تو اصل شغل کی طرف سے غفلت نہ ہووے۔ جیسا مثلاً آدمی اپنے وجود کو جانتا ہے اور باوجود اس علم کے علوم و خطرات دیگر اشیاء کے دل میں اور نظر آتے ہیں مگر اصل علم خود زائل نہیں ہوتا۔[۶۰]

ایک جگہ ذکر قلبی، یادداشت اور احسان کو ہم معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اور وہ کیفیت کہ اپنے آپ کو روبرو مالک معبود کے جانے اور شرم وحیاطاری ہو جاوے اسکا نام حضور اور یادداشت ہے اسی کو لسان شرع میں احسان کہتے ہیں اور یہی نسبت معتبرہ ہے کہ مسلسل چلی آتی ہے۔ جب اس کا ملکہ خوب ہو جاوے تو یہی امر ہے کہ قابل اجازت تلقین کے بناتی ہے

اور اس کا ہی نام ذکر قلبی ہے"۔[۶۱]

گنگوہیؒ کے وہ خلفاء جن کے ساتھ ان کی یہ مکاتبت ہوئی جس کے مختلف قطعات بطور نمونہ اوپر ذکر کئے گئے ہیں، وہ سب متبحر علماء تھے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ خود علم کے جس درجہ پر تھے، وہ کسی واقف حال سے مخفی نہیں۔ اسی طرح مولانا صدیق احمد انبیٹھوی متصلب عالم تھے۔ ان علماء متقنین کو راہ سلوک کے دوران جو اصطلاحات قابل استفسار معلوم ہوئیں، یہ انہی کے جوابات ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ گنگوہیؒ، باوجود اس کے کہ ازراہ عجز خود کو اس فن سے بے خبر گردانتے تھے، مگر حقیقتاً اس کے داؤ پیچ سے واقف اور اس کے اجزاء و عناصر کے عارف تھے۔

مریدین طریقت کے احوال و واردات اور ان پر مولانا کے تبصرے

چونکہ مکاتیب رشیدیہ تمام کے تمام درحقیقت مریدین کے مکتوبات کے جواب میں تحریر کئے گئے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں گنگوہیؒ کے مد نظر جو امر زیادہ اہم اور قابل توجہ تھا وہ مستفسرہ امور کے جوابات تھے۔ نیز یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ آپ کا اندازِ تحریر ایجاز و اختصار کی طرف مائل تھا لہذا بات سے بات نکلنے کا عنصر آپ کے مکاتیب میں بالکل مفقود ہے۔

اگر شیخ طریقت، شیخ الحدیث والتفسیر والفقہ بھی ہو اور سالکین علماءِ کاملین کی جماعت ہو تو ایسی صورت میں شریعت و طریقت کے تلازم و امتزاج کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مکاتیب شریعت و طریقت کے ارتباط، عقل و عشق کی ہمنوائی اور علم و معرفت کے گنجینہ بن گئے ہیں۔ گنگوہیؒ کے تبصروں میں طریقت کے مندرجہ ذیل موضوعات شامل ہیں:

ا۔ مقصود تصوف و سلوک

گنگوہیؒ نے اپنے مکاتیب میں اس امر پر غیر معمولی توجہ دلائی ہے کہ یہ اشغالِ تصوف مقصود اصلی ہرگز نہیں ہیں بلکہ ان سب کا مقصود استحضار رب باری ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "غرض کیفیت سے نہیں مقصد سکون و ربط قلب باللہ ہے۔ حالات جو اولیاء پر ہوئے وجد و حال کے اس کا بیسواں حصہ بھی صحابہ سے منقول نہیں۔ غرض نسبت و سکون و طمانینۃ باللہ تعالیٰ اصل ہے اور کیفیت لازم و داعی ہے"۔[۶۲] اسی طرح ایک مکتوب میں سہارنپوریؒ کو لکھتے ہیں: "عزیزم اولا بغور سنو کہ مقصد جملہ اشغالات و مطلب منتہی جملہ مراقبات کا وہ حضور قلب بے کیف ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمایا"۔[۶۳]

گنگوہیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شریعت کا علم ہو یا طریقت کا، سب کا مقصد نور یقین کی پیدائش ہے۔ اگر یہ نورِ یقین قلب میں جاگزین ہو جائے تو پھر اشغال و مراقبات کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔[۶۴] یہی وجہ ہے کہ وہ انوارات جو راہ سلوک میں ظاہر ہوتے ہیں، مقصود اصلی نہیں ہیں بلکہ مقصود اصلی استحضار و محبت الہی ہے۔ بلکہ ایسا سلوک جس میں انوار کا ملاحظہ ہو اس میں سالک کے بہکنے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

> اصل مقصود تو احسان ہے سو وہ بفضلہ تعالی آپ کو عطا ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے قرن میں یہ احسان ہی تھا اور معارف جو خلف کو حاصل ہوئے وہ بھی ثمرۂ عنایات ہیں مگر انوار کا جو طریق و سلوک ہے وہ خطرناک ہے۔ فقط احسان میں کوئی دخل شیطان کا نہیں ہو سکتا مگر انوار کے نزول میں بہت خدشہ ہے... لہذا مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کے سلوک میں انوار پیش نہ آویں اس کا سلوک اسلم ہے۔[۶۵]

انوار سے مزین راہ سلوک میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نور جو ذکر کی وجہ سے انسان کے خیال میں جم جاتا ہے انسان اسے سارے جسم میں بلکہ ہر شے میں محیط دیکھ کر بہک جاتا ہے۔

ایک کامل شیخ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مریدین کو اصل ومقصود کی طرف راغب کرے اور وسائل، اسباب اوراحوال کو اصل مقصود نہ بننے دے۔ گنگوہیؒ کے مریدین میں سے مولانا صدیق احمد انبیٹھوی کو انوار کا بالتفصیل مشاہدہ ہوا جبکہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو ان انوار کا مشاہدہ نہ ہوا۔ انہیں اس پر اپنے سلوک میں نقص کا اندیشہ تھا۔ گنگوہیؒ انہیں لکھتے ہیں:

> پس حاصل آنکہ مولوی صدیق احمدؒ کا اصل حال تو وہی یادداشت ہے مگر ریزنی انوار زائدہ واضمحلال اشیاء کا انکشاف خواہ وجداناً مزید ہے جس کا نہایت پھر وہی یادداشت ہے تو پھر اس پر اس قدر غبطہ بجز اس کے کیا تصور ہو کہ کل جدید لذیذ اور ادنی کا حصول بھی غیرت کا مقتضی ہے۔ بہر حال اپنی اس نسبت کو آپ کم ان کی نسبت سے کسی وجہ تصور نہ فرمائیں جس قدر وہ ترقی کریں گے وہ سب حالات کم ہوتے ہوتے آپ کے مقام میں نہایت وقرار پاویں گے۔ ثانیاً یہ کہ ہر طبع کو خلاق ازل نے دوسری طرح کا بنایا ہے۔ بعض طبائع میں تجلی انوار واسرار رکھے ہیں بعض میں استتار، پہلا دوسری کیفیت سے ناواقف ہے اور دوسرا پہلے حالات سے محجوب ہے اور کمال کلی وہی حضور ہے جس کا ثمرہ ایثار حب اللہ تعالیٰ علی جملہ اغیار ہے اور بس۔[۶۶]

مقصود سلوک کے متعلق گنگوہیؒ نے ایک اورامر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی خود مقصود بالذات ہے اس لیے اگر کسی شخص کو ذکر الٰہی میں مشغولیت کے باوجود کرامات وغیرہ حاصل نہ ہوتی ہوں تو خود اس ذکر کو بیش قیمت غنیمت سمجھتے ہوئے اس پر دوام کرنا چاہیے:

> آنچہ از طمانیت قلب در ذکر نگاشتہ اند خیلے فرحت اندوختم حق تعالیٰ ترقی کند نزدایں نحیف سکون وطمانیت از ہزار کرامت خوشتر است۔[۶۷]
>
> یعنی (مخاطب نے) جو کچھ ذکر میں طمانیت قلب کے متعلق لکھا اس سے مجھے مسرت ہوئی حق تعالیٰ اس میں ترقی عطا فرمائے۔ اس فقیر کی رائے میں سکون وطمانیت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی ذکر الٰہی اگر دواماً بندہ کو حاصل ہو جائے تو عبدیت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ انوار ومشاہدات نہ بھی ہوں تو یہ استحضار ہزار ہا کرامات وانوار سے بڑھ کر ہے۔

۲۔ **اتباع سنت کی تاکید:** مشائخ چشت بالخصوص اور اولیاء وزہاد بالعموم ہمیشہ اتباع سنت کو لازمی قرار دیتے رہے ہیں اور اتباع سنت کو زندگی کا مقصد بنانے کی تاکید کرتے رہے ہیں۔ گنگوہیؒ چونکہ خود سلسلہ صابریہ کے ان بزرگوں کی نسبت میں پروئے ہوئے تھے جو سنت کے اہتمام میں عدیم المثال تھے، اس لیے انکے ہاں سنت کے اتباع کی دعوت بدیہی امر ہے۔ سید الطائفہ کے متعلق لکھا ہے کہ بوقت وصال اس طرح لیٹ گئے کہ ہئیت نام محمد کی شکل میں آگئی اور اسی حالت میں خالق حقیقی کو جا ملے۔[۶۸]

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "چونکہ نجات اور فلاح بجز اتباع سنت میسر ونصیب نہیں ہے۔ اس لیے اتباع سنت سے چارہ نہیں

ہے اسی لیے بیعت کی جاتی ہے اور اسکے واسطے تحصیل علم ہے جب یہ نہیں ہے تو سب ہیچ اور بے فائدہ ہے"۔[۶۹]

اسی طرح لکھتے ہیں:"اب صریح لکھتا ہوں کہ راہ سنت میں فتور نہ ہونا چاہیے۔ کمال طریقت و شریعت یہی ہے ورنہ کشف و کرامات خرق عادات خلاف شرع کے ساتھ کچھ موقع نہیں رکھتے"۔[۷۰]

گنگوہیؒ جس شخص میں بدعت کے میلانات محسوس کرتے تھے یا اسکی خبر انہیں ملتی تھی، اسے فوراتنبیہ کرتے تھے۔[۷۱]

حضرت تھانویؒ ایسے چند درویشوں کے پاس بیٹھ جاتے تھے جن کے افعال کا شریعت کے احکام پر انطباق بس تکلف سے ہی ہوتا تھا۔ گنگوہیؒ اس فعل پر خفا تھے ادھر تھانویؒ نے خود لکھا ہے کہ مجھے اپنے اس فعل کے دلائل معلوم تھے۔ پھر جانبین سے طویل مکاتبت ہوئی۔ آخر تھانویؒ کا شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے علی الاعلان اپنے اس فعل پر توبہ کی۔[۷۲]

۳۔ متقدمین اور متاخرین کے طریق سلوک میں فرق اور اسکی وجہ

طریق سلوک کے اشغال کے متعلق ایک اعتراض عوام تو عوام خواص تک کے حلقہ میں بڑے زور شور سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر یہ اشغال، استحضار الٰہی کے پیدا کرنے میں اس قدر ضروری ہیں تو پھر متقدمین خصوصا صحابہ کرامؓ نے ان کو کیوں نہیں اپنایا۔ اس اعتراض کا پیدا ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ اس لیے کہ جس امر کو دین سمجھ کے کیا جارہا ہو اور متقدمین کے ہاں اس کا سراغ نہ ملتا ہو تو بجائے خود وہ عمل بدعت کے زمرے میں چلا جاتا ہے۔ سو ایک طرف علمائے متصلبین شدومد سے بدعت سے دور رہنے کی تاکید کر رہے ہوں اور دوسری طرف وہ خود بدعت میں مبتلا ہوں تو یہ دورخی عوام کے لیے دین سے دوری کا سبب بنتی ہے۔

محدث گنگوہیؒ نے اس باب میں بڑی عمدہ تحریرات چھوڑی ہیں۔ ان تحریرات میں گہرے غور و فکر سے بظاہر متحد الحکم اشیاء متفرق الحکم ہو جاتی ہیں۔ ایک جگہ متقدمین و متاخرین کے فرق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سنو کہ سلوک صحابہ کرامؓ و تبع تابعین میں تحصیل احسان اور اپنا بندہ ناچیز بے اختیار ہونا اور من کل الوجوہ محتاج ذات غنی کا اور حضور اس کردگار بے نیاز محسن عباد کا ہونا تھا۔ بندگی در بندگی، عجز در عجز توکل در توکل ہمت اطاعت و جان و مال بازی فی رضاء المولی اس کا ثمرہ تھا نہ استغراق تھا نہ فنا تھی متاخرین نے دوسرا راستہ نکالا کہ جس سے ربط حادث بالخالق کی کیفیت معلوم جائے۔ سو بعد مجاہدات معلوم ہوا کہ سب مخلوقات اعلی سے اخس تک اپنے خالق سے مربوط اور اس کے وجود سے موجود ہیں۔ بوحدۃ وجود یا بوحدۃ شہود و علی خلاف بینہم۔[۷۳]

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ توجہ الی اللہ مامور من اللہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ مبارک میں شریعت کے اعمال مفروضہ اس توجہ کے حصول کے لیے کافی تھے۔ مگر جوں جوں زمانہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے دور ہوتا گیا، محض ان اعمال مفروضہ سے اس توجہ کا حصول مشکل ہو گیا لہذا مشائخ نے اس کے حصول کے لیے ایسے اشغال، مراقبات اور اعمال تجویز کیے جو ہر طرح جائز تھے لہذا ان اشغال کا اختیار کرنا کسی طرح بھی بدعت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو فی زمانہ بھی محض صوم و صلوۃ سے یہ دولت استحضارِ ربِ باری حاصل ہو جائے، اسے ہرگز مراقبات و اشغال کی ضرورت نہیں۔

گنگوہیؒ نے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی ہے اور تھانویؒ کے تمام اعتراضات و شبہات کا جواب دیا ہے یہاں تطویل کے خوف

سے انہیں نظر انداز کیا جارہا ہے۔[۷۴]

۴۔ سالکین کے امراض وعوارض کا علاج

مکاتبت میں سالکین کے امراض وعوارض کے معالجات بھی مذکور ہیں۔ اکثر جگہ دعاء، توجہ اور تعلیم کے ذریعے پریشان کن واردات کا علاج منقول ہے نیز چونکہ سالکین اکثر اپنے دنیاوی امور شیخ کے مشورہ کے بغیر انجام نہیں دیتے اس لیے مکاتبت میں گنگوہیؒ کے مشورے اور ہدایات بھی شامل ہیں۔[۷۵]

۵۔ مناماتی تعبیرات

سالکین کو بوقت اشغال منامات ومبشرات اکثر آتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ شیخ کامل سے ان منامات کی تعبیر پوچھتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر قابل انتباہ ہو تو معلوم ہو جائے۔ مکاتبت میں ایسے منامات اور ان کی تعبیرات بھی مذکور ہیں۔[۷۶]

مکاتیب رشیدیہ کی خصوصیات

تصوف کے اس گراں مایہ سرمایہ کے تجزیاتی مطالعہ سے اسکے منفرد پہلو سامنے آچکے۔ آخر میں اس کی ممتاز خصوصیات کا بالاختصار ذکر کر دیناضروری سمجھا گیا۔

قرآن وحدیث سے استشہاد

مکاتیب میں جابجا گنگوہیؒ نے امور تصوف کے متعلق قرآن وحدیث سے استشہاد پیش کیے ہیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ذکر کرنے میں دماغی قوت کی رعایت رکھنی چاہیے۔ لذت میں آکر اس قدر زیادتی نہیں کرنی چاہیے کہ اصل کام سے انسان رہ جائے۔ اور اپنے اس ارشاد پر قول رسولؐ سے استشہاد کیا ہے۔ لیکن اس استشہاد میں الفاظ "ساعۃ فساعۃ" ذکر کیے ہیں۔ چونکہ گنگوہیؒ کی یہ مکاتبت عالم متبحر سے ہے اس لیے محض حدیث مبارکہ کی طرف اشارہ کافی سمجھا ہے۔[۷۷]

مکمل حدیث اس طرح ہے کہ حضرت حنظلہؓ کو یہ گمان گزرا کہ جب نبوی مجلس میں ہوتے ہیں اور جنت وجہنم کا تذکرہ ہوتا ہے تو ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں گویا سامنے ہیں لیکن جب گھروں کی طرف پلٹتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ حالت نہیں رہتی، یہ عمل تو منافقت کا عمل ہو گیا۔

آنحضرتؐ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا اگر ہر وقت تمہاری وہی حالت رہے جو میری مجلس میں ہوتی ہے تو تم سے فرشتے راستوں میں مصافحہ کریں مگر اے حنظلہؓ "ساعة فساعة" یعنی آہستہ آہستہ یہ حالت پیدا ہو گی۔[۷۸]

سالک پر بعض اوقات خواطر کا ہجوم ہو جاتا ہے جس سے اس کا قلب پریشان ہو جاتا ہے اور کبھی یہ خواطر رفع ہو جاتے ہیں۔ سالک کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر وقت قلب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ گنگوہیؒ اس مشکل کے حل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ذکر میں جس وقت ہجوم خواطر ہو اس وقت استغفار واظہار عجز ونیاز کرنا چاہیے اور بوقت رفع خواطر حمد وشکر لازم ہے اور حدیث انه ليغان على قلبي ... اليوم سبعين مرة شاہد اسکی ہے"۔[۷۹]

گنگوہیؒ نے یہاں جس حدیث سے استشہاد کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میرے قلب پر بھی واردات ہوتے

ہیں اور میں روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[۸۰] مکاتبت میں ایسے استشہاد بے شمار ہیں۔ بطور نمونہ یہ دو مقام ذکر کیے ہیں۔

شریعت و طریقت کی مطابقت

گنگوہیؒ نے اپنے مکاتبت میں، باوجود اسکے کہ مکتوب الیھم علماء تھے، اشغال، مراقبات، احوال وواردات کو مطابق شریعت بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اتباع سنت اور اجتناب بدعت کی تاکید

گنگوہیؒ نے اپنے مکاتیب میں اتباع سنت کی خاص تاکید کی ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ وہ جس شخص کو متبع سنت پاتے ہیں خود بخود قلب اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔[۸۱] نیز آپ نے اجتناب بدعت کی خاص تاکید کی ہے۔ بدعت کی حقیقت وماہیئت کے متعلق متبحر علماء آپ کے فرمودات سے مستفید ہوتے رہے ہیں بلکہ آپ کی کتاب "براہین قاطعہ" اس موضوع پر عدیم المثال ہے۔

رضاء برضاء اللہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم

گنگوہیؒ نے اپنے مکاتیب میں رضاء الہی پر راضی رہنے کی خاص تاکید کی ہے اور اخلاق وحسنہ کی تعلیم دی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ دوسرں کے برے سلوک کے مقابلہ میں اچھا سلوک کرنا راہ طریقت کے طالب پر لازم ہے۔[۸۲]

حواشی و حوالہ جات

---

[۱] عزیر الرحمن، مفتی. تذکرۃ مشائخ دیوبند. ط: ۱۹۶۴ء، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص۱۰۷-۱۰۸

[۲] ایضا، ص۱۰۵

[۳] دوآبہ، اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جو دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے۔ اس پٹی میں دھلی، میرٹھ، مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع شامل ہیں۔ اس سارے علاقے کی شہرت دینی نوعیت کی ہے۔ خانوادہ ولی اللہ کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔ [زکریا، مولانا محمد. شریعت وطریقت کا تلازم. ط: ۱۹۹۳ء، مکتبہ الشیخ، کراچی، ص۳]

[۴] محولہ بالا

[۵] میرٹھی، عاشق الہی. تذکرۃ الرشید، ط: ۱۹۸۶ء، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱/۱۷

[۶] عبدالحئی، سید. دہلی اور اس کے اطراف. ط: ۱۹۸۸ء، اردو اکادمی، دلی، ص۱۶

[۷] تذکرہ مشائخ دیوبند، ص۱۰۸

[۸] شیر کوٹی، انوار الحسن. انوار قاسمی. ط: ۱۹۶۹ء، ادارہ سعدیہ، لاہور، ۱/۶۷

[۹] عبدالحئی، سید. نزھۃ الخواطر. ط: ۱۹۸۶ء، اصح المطابع، کراچی، ۸/۱۴۸

[۱۰] تذکرۃ الرشید، ۱/۲۹-۳۷

[۱۱] تذکرۃ مشائخ دیوبند، ص۱۱۰

[۱۲] تذکرۃ الرشید، ۱/۵۱-۵۲

[۱۳] کاندہلوی، مولانا محمد زکریا. تاریخ مشائخ چشت. ط: ۱۳۹۵ھ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص۲۸۱

[۱۴] حوالہ بالا

[۱۵] بنوری، محمد یوسف، مولانا. مقدمۃ لامع الدراری لعنون "بیان مالاھل الھند من الخصائص" بحوالہ ماہنامہ "الرشید"، دار العلوم دیوبند نمبر، ص۱۷۴-۱۷۵

[۱۶] ندوی، ابوالحسن علی سید. تاریخ دعوت وعزیمت. ط: مجلس نشریات اسلام، کراچی، حصہ ششم، ۲/ ۵۵۴

[۱۷] تذکرۃ الرشید، ۱/ ۸۹-۱۰۰

[۱۸] سر دایک خاص اصطلاح ہے جس سے مراد درس حدیث میں قراءۃ کرنا ہے۔ اس میں صرف ان مقامات کی تشریح توضیح کی جاتی ہے جو نہایت اہم ہوں ورنہ طالب علم حدیث کی قراءۃ جاری رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس طریقہ کو برصغیر میں متعارف کروایا تھا۔ [گیلانی، مناظر احسن. احاطہ دار العلوم میں بیٹے ہوئے دن. ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص۶۸-۶۹]

[۱۹] عثمانی، ظفر احمد مولانا. "سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث". معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۴۴ء، ص۴۰۲

[۲۰] سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث، ص۴۰۵

[۲۱] تذکرۃ الرشید، ۱/ ۱۶

[۲۲] محمد طیب، قاری. تاریخ دار العلوم دیوبند. ط: ۱۹۷۷ء، دار العلوم، دیوبند، ص۹۳

[۲۳] تذکرۃ الرشید، ۱/ ۲۴۱

[۲۴] حبوب رضوی سید. تاریخ دار العلوم دیوبند. ط: ۱۹۷۷ء، دیوبند ادارہ اہتمام، ۱/ ۱۶۷

[۲۵] تذکرۃ الرشید، ۲/ ۱۶

[۲۶] تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، ۲/ ۵۵۰

[۲۷] میدانِ شاملی میں ان حضرات کے کارہائے نمایاں کے لیے ملاحظہ ہو: [مہر، غلام رسول. ۱۸۵۷ کے مجاہد. شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور؛ قریشی، محمد صدیق. جنگ آزادی کے مجاہد. مقبول اکیڈمی، لاہور، ص۱۵۴-۱۵۷

[۲۸] مساعی جہاد کا انکار کرنے والوں کی رائے کے لیے ملاحظہ ہو: [خیر آبادی، فضل حق. الثورۃ الہندیہ. مترجم: عبد الشاہد. ط: ۱۹۷۴ء، مکتبہ قادریہ، لاہور، ص۳۲؛ جالندہری، رشید احمد. برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم. ط: ۱۹۸۹ء، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص۱۱۲-۱۱۵] مساعی جہاد کا انکار کرنے والوں کی بڑی دلیل صاحبِ تذکرہ الرشید کا اسلوب بیان ہے جو ان حضرات کی شرکت کو حادثاتی قرار دیتا ہے۔ سو اس بارے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا جواب دیکھنا چاہیے جو انہوں نے صاحب تذکرۃ کے اس طرز عمل کے بارے میں لکھا ہے۔ [تذکرۃ الرشید، ۱/ ۷۳، ایضاص ۲/ ۶۲-۶۲۲]

[۲۹] تذکرۃ الرشید، ۱/ ۶۴

[۳۰] تاریخ مشائخ چشت، ص۲۴۸

[۳۱] تذکرۃ الرشید، ۲/ ۱۵۴-۱۵۶

[۳۲] تفصیل مذکورہ کے لیے مکاتیب رشیدیہ کے مندرجہ ذیل صفحات ملاحظہ فرمایئے: گنگوہیؒ، رشید احمد مولانا. مکاتیب رشیدیہ. (جمع اول) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی. (اضافہ) مولانا عبد المالک. (مرتب) مولانا محمود اشرف عثمانی. ط: ۱۹۹۶ء، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ص۲۴-۵۵

[۳۳] بخاری، محمد بن اسماعیل. الجامع الصحیح. ط: ۱۴۰۷ھ، دار ابن کثیر، بیروت، کتاب الطب، باب اللدود، ۵/ ۲۱۵۹، ح۵۸۲۳

[۳۴] مکاتیب میں صرف گنگوہیؒ کے جواب منقول ہیں۔ سہارنپوریؒ کے سوالات منقول نہیں۔

[۳۵] مکاتیب رشیدیہ، ص ۱۳۳، ۱۳۲

[۳۶] ابن حبان، محمد بن حبان. صحیح ابن حبان. ط: ۱۹۹۳ء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، کتاب السیر، باب ذکر الاباحۃ للامام...، ۶/۱۹-۲۱ح ۴۷۱۹

[۳۷] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف، ۲/۵۸۴ح ۱۵۶۵

[۳۸] القشیری، مسلم بن الحجاج. صحیح مسلم. دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم، ۲/۷۷۴ح ۱۱۰۲

[۳۹] ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن کثیر. البدایۃ والنھایۃ. مکتبہ المعارف، بیروت، ۴/۶۰۲-۶۰۹

[۴۰] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۳/۱۳۲۱ح ۳۴۱۴

[۴۱] مکاتیب رشیدیہ، ص ۱۳۳-۱۳۶

[۴۲] ایضا، ص ۲۳۲

[۴۳] مکاتیب رشیدیہ، ص ۲۳۲

[۴۴] ایضا، ص ۱۹۰

[۴۵] ایضا، ص ۱۷۸

[۴۶] گنگوہیؒ، رشید احمد مولانا. فتاویٰ رشیدیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ. ط: ۱۴۱۲ھ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص ۹۶

[۴۷] ایضا، ص ۹۸، ۹۷

[۴۸] ایضا، ص ۹۹، ۹۸

[۴۹] مکاتیب رشیدیہ، ص ۲۳۳

[۵۰] ایضا، ص ۲۳۲

[۵۱] ایضا، ص ۵۶

[۵۲] مثلاً دیکھئے، مکاتیب رشیدیہ، ص ۸۴-۱۷۵، ۸۷، ۲۳۰

[۵۳] مثلاً دیکھئے، مکاتیب رشیدیہ، ص ۶۳، ۱۸۵، ۱۸۲-۱۸۶

[۵۴] مثلاً دیکھئے، مکاتیب رشیدیہ، ص ۳۲-۸۹-۱۰۹

[۵۵] مثلاً دیکھئے، مکاتیب رشیدیہ، ص ۷۰-۸۹، ۷۲، ۱۰۱-۱۰۹

[۵۶] مکاتیب رشیدیہ، ص ۵۸

[۵۷] ایضا، ص ۵۹، ۵۸

[۵۸] ایضا، ص ۴۱

[۵۹] ایضا، ص ۴۶

[۶۰] ایضا، ص ۱۴۲

[۶۱] ایضا، ص ۱۲۳

[۶۲] ایضا، ص ۴۱

[۶۳] ایضا، ص ۱۷

[۶۴] ایضا، ص ۱۰۸

[۶۵] ایضا، ص ۴۵

[۶۶] ایضا، ص ۱۷-۲۷

[۶۷] ایضا، ص ۱۸۴

[۶۸] بلوچ، الہ بخش خان. خاتم سلیمانی (ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی وخواجہ الہ بخش تونسوی). ط: ۱۳۲۵ھ، خادم التعلیم اسٹیم پریس، لاہور] خلیق احمد نظامی صاحب نے یہ واقعہ درج کیا ہے: [تاریخ مشائخ چشت، ص ۴۱۶]

[۶۹] مکاتیب رشیدیہ، ص ۱۷۵

[۷۰] ایضا، ص ۹۸

[۷۱] مکاتیب رشیدیہ، ص ۹۸

[۷۲] یہ طویل مکاتبت مکاتیب رشیدیہ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: [مکاتیب رشیدیہ، ص ۱۵۰-۱۷۳]

[۷۳] مکاتیب رشیدیہ، ص ۴۵-۴۶

[۷۴] حضرت تھانویؒ کے شبہات اور گنگوہیؒ کے جوابات کے لیے وہی صفحات ملاحظہ ہوں جو حوالہ ۷۲ کے ضمن میں ذکر کئے گئے ہیں۔

[۷۵] مکاتیب رشیدیہ کے مندرجہ ذیل صفحات دیکھئے، ص ۲۲۱، ۱۷۳، ۱۱۶، ۲۲۸

[۷۶] مثلا دیکھئے، ص ۱۱۲، ۲۲۷

[۷۷] مکاتیب رشیدیہ، ص ۴۱

[۷۸] صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی الآخرۃ، ۴/ ۲۱۰۶ ح ۲۷۵۰

[۷۹] مکاتیب رشیدیہ، ص ۶۳

[۸۰] صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ، ۴/ ۲۰۷۵، ح ۲۷۰۲، البتہ ستر مرتبہ استغفار والی روایت کا سراغ نہیں ملا۔

[۸۱] مکاتیب رشیدیہ، ص ۹۸

[۸۲] ایضا، ص ۸۸